امپیکٹ انٹرنیشنل لندن کی چشم کشا رپورٹ

بنگلہ دیش پر عیسائیت کی یلغار

بنگلہ دیش کو صدی کے اختتام تک عیسائی ملک بنا لینے کا منصوبہ

عیسائیت پر تنقید نہ کرنے کی پابندی لگادی گئی مشنریوں کو خلاف اسلام تبلیغ کی آزادی

(ترجمہ۔ جناب یونس حسرت حسن)

بنگلہ دیش سے حال ہی میں کراچی آنے والے ایک ممتاز عالم دین نے (نام ان کی درخواست پر نہیں لکھا جا رہا) انکشاف کیا ہے کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد وہاں ۳۸ لاکھ مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں اور عیسائی مشنری اداروں کا، جن میں زیادہ تر امریکہ اور برطانیہ کے لوگ شامل ہیں، اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ اس اگلی نسل تک، ملک کو اس صدی کے آخر تک عیسائی اکثریت میں تبدیل کرلیں گے۔ مشنریوں کی موجودہ تعداد وہاں ۲ لاکھ تک جا پہنچی ہے اور پورے ملک میں انکا وسیع جال پھیلا دیا گیا ہے۔ ان کے اثر و رسوخ کا یہ حال ہے کہ ان کے دباؤ پر ستمبر کے مہینے سے حکومت نے تمام مساجد اور مدارس کے علماء پر یہ پابندی عائد کردی ہے کہ وہ اپنی تقاریر میں، خواہ وہ لاؤڈ اسپیکر پر ہوں یا اس کے بغیر، عیسائیت اور فروغ عیسائیت پر لب کشائی نہیں کریں گے۔ علماء کو عیسائی تنظیموں کی جانب سے دھمکی آمیز خطوط بھی بڑی تعداد میں موصول ہو رہے ہیں، جن میں پابندی کے قانون کی خلاف ورزی پر سخت نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنے کو کہا گیا ہے۔ اس پابندی کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری ہے، لیکن اس میں کسی سیاسی مہم کی طرح ابھی کوئی شدت پیدا نہیں ہوئی۔ بعض علماء نے تبلیغی جماعت سے، جو وہاں بلحاظ تعداد بڑی تنظیم ہے، رابطہ قائم کیا ہے اور جماعت کے اکابرین کو توجہ دلائی ہے کہ یہ سیاسی مسئلہ نہیں، خالصتاً دینی مسئلہ ہے۔ یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ اسلامی جمہوریہ بنگلہ دیش میں عیسائیوں کو تو اسلام اور پیغمبر اسلام پر تنقید کرنے اور مسلمانوں کو ان سے رشتہ توڑ کر عیسائیت قبول

کرنے کی تبلیغ کا حق حاصل ہو، لیکن علماء کو اسلام کی حقانیت بیان کرتے ہوئے عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث اور دوسرے باطل عقائد پر زبان نہ کھولنے کی پابندی عائد کی جائے۔ واضح رہے کہ اس صدی کے آخر تک انڈونیشیا کو، جہاں مسلمانوں کی تعداد ۹۸ فیصد تھی، پہلے ہی عیسائی اکثریت میں تبدیل کرنے کا منصوبہ زیر عمل ہے جس کے نگراں امریکہ کے سابق صدر جمی کارٹر ہیں۔ وہ سال کا بیشتر حصہ یہیں گزارتے ہیں۔ مشہور مبلغ اسلام احمد دیدات یہ انکشاف کر چکے ہیں کہ انڈونیشیا میں عیسائیوں کی تعداد ۲۰ فیصد سے زائد ہو چکی ہے۔ عالم اسلام یوں ہی خوابیدہ رہا تو بلحاظ آبادی مسلمانوں کا یہ سب سے بڑا ملک منصوبے کے مطابق اس صدی کے اختتام تک عیسائیت کی گود میں جا گرے گا۔ (بشکریہ ہفت روزہ تکبیر)

اگست ۱۹۹۲ء میں ڈھاکہ کے کئی بنگالی اخبارات کی شہ سرخیاں تھیں۔

"حکومت نے بدطینت اور بدعنوان این جی اوز (NGOs) سے ہار مان لی"

"ہماری آزادی پر نقب لگانے کا منصوبہ"

"ایسٹ انڈیا کمپنی کا طرز عمل"

اور "حکومت این جی اوز کو لگام ڈالنے میں ناکام ہوگئی" وغیرہ وغیرہ۔

این جی او کے معنی ہیں نان گورنمنٹل آرگنائزیشن، یعنی غیر سرکاری تنظیم۔ ان تنظیموں کے متعلق، جن میں سے اکثر کا تعلق مغرب کے ترقی یافتہ ممالک سے ہے، یہ فرض کیا جاتا ہے کہ یہ ایشیا اور افریقہ کے نام نہاد ترقی پذیر ممالک میں رضاکارانہ مدد اور فلاح و بہبود کے کام میں مصروف ہیں۔ مذکورہ اخباری شہ سرخیاں بنگلہ دیشی حکومت کی جانب سے مغربی سفیروں کا دباؤ قبول کرتے ہوئے اپنے ہی کیے گئے فیصلے کو واپس لینے کے حوالے سے اخبارات کی زینت بنی تھیں جو "ادب" (ADAB) یعنی ایسوسی ایشنز آف ڈیولپمنٹ ایجنسیز ان بنگلہ دیش اور "سیبا" (SEBA) یعنی سوسائٹی فار اکنامک اینڈ بیسک ایڈمنسٹریشن کی رجسٹریشن منسوخ کرنے کے بارے میں تھا۔

گورنمنٹ بیورو فار این جی اوز کے ڈائریکٹر جنرل نے "سیبا" کی رجسٹریشن منسوخ کر دی تھی۔ اس منسوخی کی وجہ خورد برد اور ایک غیر ملکی سفارت خانے سے حکومت کی اجازت کے بغیر رقم کا وصول کیا جانا تھا۔ دوسری این جی او "ادب" کو حکومتی قواعد کی خلاف ورزی کا مرتکب اور سیاسی سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا تھا۔ ان تنظیموں کے خلاف کارروائی کا فیصلہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں ہونے والے ایک اجلاس میں کیا گیا، لیکن اپنے مربی سفارت خانوں کی مداخلت پر "سیبا" اور "ادب" فقط تین گھنٹے کی مختصر مدت میں واپس اپنے کام پر آگئیں اور حکومت بنگلہ دیش کو اپنے الفاظ نگلنے پڑے۔

یہ کہانی ایک مرتبہ پھر اب دہرائی گئی جب این جی او بیورو نے فنڈز میں خورد برد اور لوگوں کا مذہب تبدیل کرانے کی کوشش میں پیسے کے استعمال پر کچھ اور این جی اوز کی رجسٹریشن منسوخ کردی۔ انٹرنیشنل کرسچین فیلوشپ، فنش فری مشن، سیوا سنگھا اور ہیلپز ایڈوانس کمیٹی نامی یہ تنظیمیں بنگلہ دیش میں علانیہ عیسائیت کی تبلیغ کرتی ہیں۔ اس مرتبہ مغربی سفارت کار اکٹھے ہو کر وزیر اعظم سیکرٹریٹ گئے اور وزیر اعظم بیگم خالدہ ضیاء سے کہا کہ اگر ان "فلاحی" تنظیموں کی رجسٹریشن بحال نہ کی گئی اور ان کے خلاف مجوزہ فوجداری مقدمات قائم کرنے کا ارادہ ترک نہ کیا گیا تو بنگلہ دیش مغربی ملکوں کی امداد سے محروم ہو سکتا ہے۔ یہ دھمکی نہ تھی۔ وزیر اعظم بخوبی جانتی تھیں کہ صرف دو برس قبل ۱۹۹۲ء میں ان این جی اوز نے حکومت کے لیے مسئلہ کھڑا کر دیا تھا اور امداد دینے والے ملکوں کے پیرس کنسورشیم نے (غیر ملکی این جی اوز کے) انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر بنگلہ دیش کی مذمت کی تھی۔

مغربی سفارت کاروں کی دھمکی کے بعد فی الفور این جی او بیورو کے ڈائریکٹر جنرل شاہد العالم کا تبادلہ کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ اس وقت سرکاری دورے پر بیرون ملک تھے، لیکن بلاتاخیر بیورو کے نئے سربراہ کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ ایجنسیاں پھر سے اپنے مشاغل میں لگ گئیں، یعنی بنگلہ دیش کے غریبوں کی روحیں خریدنے اور انہیں بچانے کا کام! اس فیصلے نے غیر ملکی این جی اوز کی طاقت کے ساتھ ساتھ بنگلہ دیش حکومت کی بے طاقتی کے بارے میں بھی سوال اٹھا دیئے ہیں۔

مقامی طبقوں کی جانب سے ان این جی اوز کے خلاف احتجاج کے کئی واقعات ہو چکے ہیں اور بنگلہ دیش کے کئی قصبوں میں ان تنظیموں کے سنگدلانہ طرز عمل کے خلاف غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے لوگ گلیوں میں نکل آئے اور بڑے بڑے مظاہرے کیے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ حکومت سامراج کی اس تجدید شدہ شکل کے خلاف حرکت میں آئے قبل اس کے کہ قوم اپنے اسلامی تشخص اور ملک اپنی خود مختاری سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

تاہم یہ احتجاجات اور مظاہرے کوئی ایسی کہانی نہیں سنا رہے تھے جو پہلے سے حکومت کے علم میں نہ ہو۔ حکومت کی فائلوں میں تو ان این جی اوز اور ملک کے سماجی استحکام و سیاسی یکجہتی کے متعلق ان تنظیموں کی کارروائیوں میں پائی جانے والی سنگین بے قاعدگیوں کے بارے میں حساس معلومات تھیں۔ لیکن یہ کچھ نہ جانتے ہوئے کچھ نہ کرنے والا معاملہ نہیں تھا۔ یہ تو جانتے ہوئے بھی کچھ نہ کر سکنے والا معاملہ تھا۔

ایسے قابل موازنہ اعداد و شمار موجود نہیں ہیں جن کی رو سے پتہ چل سکے کہ دنیا کی دیگر "غریب" اقوام میں آبادی کے لحاظ سے این جی اوز کی کتنی بھرمار ہے، لیکن جہاں تک بنگلہ دیش کا تعلق ہے یہ ان درجن بھر ملکوں میں سرفہرست ہے جہاں غیر ملکی این جی اوز کا فی مربع میل میں ارتکاز سب سے زیادہ ہے۔

ایک بھر میں بکھری ہوئی سولہ ہزار غیر ملکی فلاحی آرگنائزیشنوں اور ان کی ذیلی تنظیموں کے منظر نامے کو دیکھا جائے تو بنگلہ دیش میں ۲۰۵ر۲ غیر ملکی این جی اوز فی مربع میل پائی جاتی ہیں بھارت، بنگلہ دیش سے ۲۳ گنا بڑا ہے اور یہاں فقط ۱۰۶۹۵ این جی اوز ہیں، یعنی ایک این جی او فی ۰۱ر۲۰۵ مربع میل۔

ان این جی اوز کا اپنے بارے میں پھیلایا ہوا امیج یہ ہے کہ وہ "ڈویلپمنٹ پارٹنرز" ہیں جو دنیا کے غریب اور ترقی پذیر ملکوں میں غربت مٹانے اور تعلیم و ترقی لانے کے لیے کام کرتے ہیں تاہم بنگلہ دیش کے چوٹی کے ماہرین معاشیات کے مطابق ان کے ملک میں متمول اور باوسائل مغربی "پارٹنروں" کی فراوانی کے باوجود ملکی ترقی میں ان این جی اوز کا حصہ نہ صرف حقیر ہے، بلکہ سماجی لحاظ سے منفی بھی ہے۔

ڈاکٹر مقصود علی پلاننگ کمیشن کے رکن ہیں۔ انہیں ایسی کوئی شہادت نہیں ملی کہ بھاری فنڈز دینے کے باوجود ان علاقوں میں لوگوں کی شرح آمدنی میں کوئی اضافہ ہوا ہو جہاں این جی اوز نے اپنے منصوبے شروع رکھے ہیں۔ ڈاکٹر سید مصباح الدین، جہانگیر نگر یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر ہیں۔ ان کے بقول بھی ترقی کے دو اہم سیکٹروں یعنی زراعت اور صنعت میں این جی اوز کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ پروفیسر ہاشمی کے مطابق کاروباری قرضوں کی پیشکش سے فقط چند ایک لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے، لیکن پسماندہ اور غریب علاقوں کے لیے ان این جی اوز کے پاس کچھ نہیں ہے۔

ڈاکٹر قاضی خلیق الزمان احمد ممتاز ماہر معاشیات اور بنگلہ دیش اکیڈمی برائے (بنگلہ دیش ڈویلپمنٹ انسٹی ٹیوٹ) کے صدر ہیں۔ انہوں نے ان خاص قسم کی ترقیاتی سرگرمیوں کے خیالی منبع کا سراغ لگایا جنہیں وہ دیہی غربت کی "دریافت" کہتے ہیں۔ یہ دریافت ورلڈ بینک کے سابق صدر میکنمارا کی ہے۔ ورلڈ بینک میں آنے سے قبل میکنمارا امریکہ کے سیکرٹری دفاع تھے، لیکن وہ "مشتری سمدرد" بھی تھے۔ ڈاکٹر قاضی خلیق الزمان کے دعوی کے مطابق این جی اوز کے فیشن ایبل ناموں والے یہ منصوبے (مثلاً غربت مٹانے کا منصوبہ، ٹارگٹ گروپ پراجیکٹ، کام کے زیادہ مواقع پیدا کرنے کا منصوبہ اور غریبوں کی پیداواری صلاحیت بڑھانے کا منصوبہ وغیرہ) تیسری دنیا بشمول بنگلہ دیش کے معاشی ڈھانچے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں لا سکے۔ فرض کر لیا گیا تھا کہ ایک بار جب ٹارگٹ گروپوں کی شناخت کر لی گئی، تو پھر غربت کا خاتمہ اور ترقی کے حصول کا مقصد بہت آسان ہو گا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ معاشی وسائل ٹارگٹ گروپوں تک کبھی پہنچے ہی نہیں۔ اس طرح غربت ختم کرنے کے مقصد میں خصوصی ترقیاتی پروگرام معمولی اہمیت کے حامل تھے۔

۱۹۷۱ء سے ۱۹۹۱ء کی درمیانی مدت میں یہاں عیسائی مذہب قبول کرنے والوں کی تعداد ۲ لاکھ سے بڑھ کر ۴ لاکھ ہو چکی ہے۔ اس بارے میں عیسائی ذرائع اعداد و شمار کو کم ظاہر کرتے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ

اگلے بیس برسوں میں ان تنظیموں کا ہدف عیسائی آبادی کو ۱۰ سے ۱۲ ملین تک پہنچانا ہے۔

اس بارے میں صحیح صحیح اعداد و شمار میسر نہیں ہیں کہ بنگلہ دیش میں سرگرم عمل این جی اوز کے پاس مجموعی سرمایہ کتنا ہے کیونکہ حکومتی قواعد کے باوجود کہ ان تنظیموں کو دیے جانے والے یا ان کی طرف سے وصول کیے جانے والے فنڈز کے معاملات صاف شفاف ہونے چاہئیں، یہ تنظیمیں وصول کردہ فنڈز کی تمام رسیدیں حکومت پر ظاہر نہیں کرتیں۔ دس برس قبل ۱۹۸۴ء میں صرف عیسائی این جی اوز کی سالانہ اعلان کردہ رسیدیں کم از کم ۴۸ ملین ڈالر کی تھی لیکن ورلڈ بنک، فوڈ فار ورک پروگرام، ایشین ڈویلپمنٹ بنک اور دیگر کئی امدادی اداروں کی جانب سے ان تنظیموں کو دی گئی امدادی رقوم کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ۴۸ ملین ڈالر سے بھی زیادہ تھیں۔ این جی اوز کو ان کی حکومتیں براہ راست فنڈز مہیا کرتی ہیں، لیکن اس کے علاوہ امداد دینے والے ملک اور غیر ملکی ادارے حکومت بنگلہ دیش کو دی جانے والی امداد کے سلسلے میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ مذکورہ امداد کا ایک خاص حصہ ان کی نامزد کردہ این جی او یا این جی اوز کے توسط سے خرچ کیا جانا چاہیے۔ مثال کے طور پر امریکہ مطالبہ کرتا ہے کہ "فوڈ فار ورک پروگرام" کی نگران فلاحی تنظیم "CARE" ہوگی جو عیسائی تنظیم ہے تاہم اس پروگرام کے ملین ڈالرز کہاں جاتے ہیں؟ ان کا کوئی حساب نہیں۔

این جی اوز کے فنڈز اور وسائل کا تقریباً ۷۰ فیصد حصہ غیر ملکی رضا کاروں، ماہرین اور مشیران کی تنخواہوں، سفر خرچ اور دیگر الاؤنسوں پر خرچ کیا جاتا ہے، ۱۵ فیصد حصہ بنگلہ دیشی سٹاف پر، ۱۰ فیصد دفتر اور انتظام و انصرام پر جب کہ فقط ۵ فیصد ٹارگٹ گروپوں پر خرچ کیا جاتا ہے جن کے بارے میں یہ تنظیمیں اتنا واویلا کرتی ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کم از کم ماہانہ اجرت ایک ہزار ٹکا ر ۲۵ امریکی ڈالر سے مشکل ہی سے بڑھ پاتی ہے وہاں کچھ این جی اوز کے سربراہان ایک لاکھ سے تین لاکھ ٹکا ر ۲۵۰۰ سے ۷۵۰۰ امریکی ڈالر تک) تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ کچھ این جی اوز اپنے سربراہوں کی تنخواہوں کی ادائیگی تو ان کے اپنے وطن میں غیر ملکی کرنسی میں کرتی ہیں جب کہ بنگلہ دیش میں قیام کا رہائشی الاؤنس بھی دیتی ہیں۔ ایسی ایک برطانوی تنظیم نے اپنے پروگراموں کے افسر اعلیٰ کو بیرون ملک تنخواہ کی ادائیگی کے علاوہ ایک لاکھ ٹکا ر ماہانہ الاؤنس بھی دیا۔ اخراجات کی مدیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اکثر این جی اوز اپنے فنڈز اپنے اعلان کردہ منصوبوں سے ہٹ کر دیگر مدوں میں منتقل کرتی ہیں۔

ڈاکٹر شیخ مقصود علی کی رائے میں این جی اوز کے ترقیاتی بجٹ کا تقریباً ۸۰ فیصد ٹارگٹ گروپوں کے بجائے "درمیان والوں" کی مٹھی گرم کرنے میں خرچ ہوتا ہے۔ پلاننگ کمیشن میں پیش کیے گئے این جی اوز کے منصوبے درست نہیں ہوتے اور اکثر ان میں غلط اور زیادہ اعداد و شمار پیش کیے گئے ہوتے ہیں اور رسل و رسائل، زمین اور بلڈنگ کی مدوں میں اخراجات کا تخمینہ اصل سے کہیں زیادہ ظاہر کیا گیا ہوتا ہے۔

گزشتہ برس این جی اوز بیورو انکوائری رپورٹ وزیر اعظم خالدہ ضیاء کو پیش کی گئی۔ رپورٹ کے مطابق این جی اوز کے بجٹ کا ۶۰ فیصد اپنے ماہرین اور عملے کی تنخواہوں اور الاؤنسز پر خرچ کیا گیا۔ خطیر رقوم نئے ماڈل کی کاریں اور مٹسوبشی، پجارو گاڑیاں خریدنے اور این جی او افسروں اور ماہرین کے لیے فائیو اسٹار ریسٹ ہاؤس کی تعمیر پہ خرچ کی گئیں۔

بیورو کے آڈیٹروں نے ایک سو این جی اوز کے اکاونٹس چیک کئے تو یہ عقدہ کھلا کہ ان میں سے ۸۰ فیصد مالی بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں میں ملوث ہیں حتیٰ کہ ان کے اپنے خفیہ بنک اکاؤنٹ بھی ہیں۔ یہ بھی ہے کہ این جی اوز کسی منصوبے کے لیے مختص تمام رقم بالضرور اسی منصوبے پر خرچ نہیں کرتی ہیں، بلکہ زیادہ تر رقم غائب کر لی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر "میبونائٹ سنٹرل کمیٹی" (MENONITE CENTRAL COMMITTEE) نامی ایک این جی اوز نے ۱۶۸۴ ملین ٹکا بہبود اور بحالی کی مدین نکالا، لیکن مبینہ طور پر ۲۲۷۲۱ ٹکے تقسیم کیے۔ آڈیٹروں کا کہنا ہے کہ آڈٹ کے دوران سامنے آیا کہ "CARITAS" کی جانب سے ۵۰ لاکھ ٹکا اور "BADS" نامی این جی او کی جانب سے ۱۰۶۱۲ ملین ٹکا سمندری طوفان کے متاثرین کی بحالی کے بہانے غلط مدوں میں استعمال کیا گیا۔

این جی اوز کی بڑی تعداد عیسائی واقع ہوئی ہے۔ اگرچہ بالعموم ان کے ناموں سے یہ حقیقت آشکار نہیں ہوتی۔ ان میں سے کچھ تو علانیہ کہتی ہیں کہ وہ انجیلی ہیں جب کہ اکثریت کی مثال خیمے کی "کھونٹیوں" جیسی ہے۔ یہ "کھونٹیاں" اپنے طریقہ واردات میں بے حد عیار اور چالاک ہیں۔ یہ اپنی تبلیغی دلچسپیوں کا اظہار نہیں کرتیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ (معتقدوں) عیسائیت اختیار کرنے والوں) کو دنیاوی آسائشات بہم پہنچائیں۔

این جی اوز فنڈز اور امدادی رقوم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر سیاسی اثر و رسوخ بھی خریدتی ہیں۔ سرکاری اہلکاروں اور سیاستدانوں کی ملکیت عمارتوں اور گھروں کو فیاضانہ شرائط پر لیز پر لیا جاتا ہے اور ان کے بیٹوں، بیٹیوں اور دیگر عزیز و اقارب کو بے کام کی نوکریاں دی جاتی ہیں۔ اگر بنگلہ دیش میں آپ خوش لباس ہیں، آپ کے ایک ہاتھ میں جدید قسم کا بریف کیس ہے اور آپ جاپانی ساخت کی چمکتی دمکتی پجارو گاڑی میں سوار ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کسی این جی اوز کے افسر ہیں۔ بنگلہ دیش میں کسی این جی اوز کے ساتھ تعلق کا مطلب ہے کہ آپ کوئی "شخصیت" ہیں۔

این جی اوز کی سرگرمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ چاول چھانٹنے والی مشین خریدنے، مرغیاں پالنے اور چھوٹی موٹی دکانداری کے لیے لوگوں کو چھوٹے قرضے دیے جاتے ہیں لیکن رقوم کی واپسی کا روزانہ، پندرہ روزہ اور ہفتہ وار نظام ایسا ہے کہ قرضہ لینے والے ان پڑھ لوگ ۲۵ فیصد سے ۳۰ فیصد تک سود ادا کرتے ہیں۔ "پرا اشیاء سنابک انیان کندرا" نامی این جی او مبینہ طور پر ۲۲۶ فیصد سود وصول کرتی ہے۔ این جی او بیورو کی انکوائری رپورٹ

بقیہ صفحہ ۵۵ پر

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

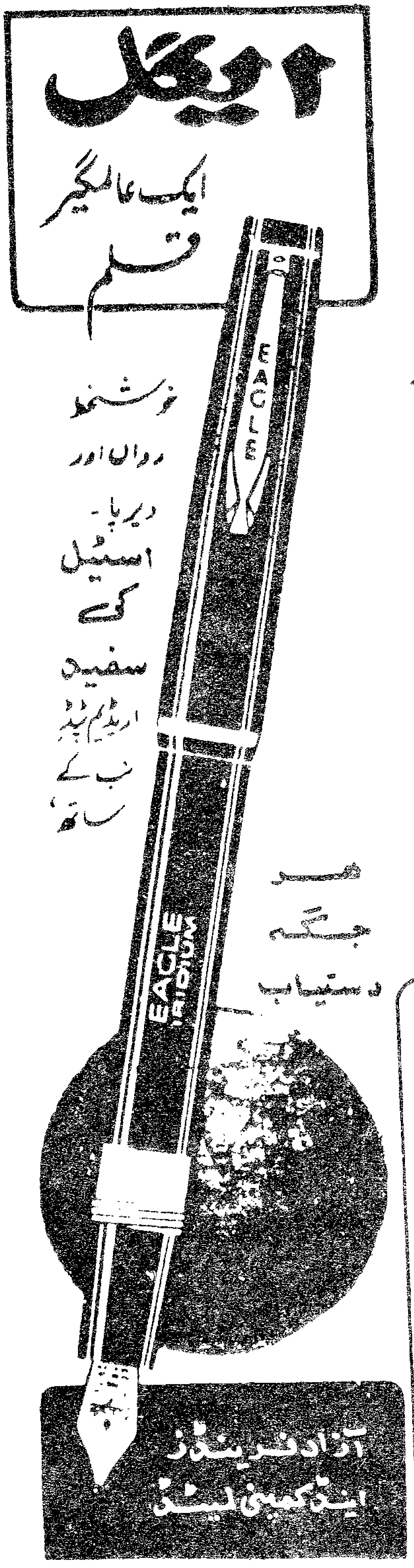
ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشنما
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

قومی خدمت ایک عبادت ہے
اور
سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے
Servis
قدم قدم حسین قدم قدم